دانشِ سید ہاشمی

مترجم

سنگت رفیق

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

عدالت روڈ، کوئٹہ

(c) All rights are reserved.

اے کتاب ءِ درائیں حقّ گوں بلوچی اکیڈمی ءَ انت۔

بیدء بلوچی اکیڈمی ءِ رضاءَ کسّ ایشی ءِ مواداں چاپ کُت نہ کنت۔

دانشِ سید ہاشمی

(ترجمہ)

سنگت رفیق

2019ء

ISBN#978–969–680–058–3

نہاد:_100

بلوچی اکیڈمی ءَ اے کتاب ذکی پرنٹنگ پریس کراچی ءَ چاپ کتگ۔

انتساب

سید ہاشمی کے
ادبی اخلاص
کے نام

فہرست

عنوان	صفحہ
☆۔پیش لفظ۔(مترجم)۔۔۔۔	5
☆۔پیش لفظ۔(سید ہاشمی)۔۔۔	8
1۔دستونک۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔	15
2۔جواب۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔	71
3۔مشک بوزمین ۔۔۔۔۔۔	88
4۔دوخطوط ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	110

✷✷✷

پیش لفظ

(مترجم)

سید ہاشمی کے آباؤاجداد بلخ بخارا سے ہجرت کر کے سندھ میں آ کر آباد ہوئے۔سندھ میں ابتدائی دنوں میں ٹنڈو آدم کے علاقے میں مقیم رہے۔ بقول صبادشتیاری والد کی طرف سے ان کا سلسلہ نسب حضرت امام حسنؓ سے جاملتا ہے اور والدہ کی طرف سے حضرت امام حسینؓ سے۔اس لحاظ سے اس خاندان کو ''الحسنی والحسینی'' کہتے ہیں۔ سندھ سے یہ خاندان بیلہ اور بیلہ سے موجودہ ایرانی بلوچستان دشتیاری چوکاٹ ہجرت کر گئے۔سندھ میں یہ خاندان بخاری، بیلہ میں قادری یا جیلانی اور دشتیاری میں ہاشمی کہلاتے ہیں۔ اسی خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک شاعر اور بلوچی زبان کے پہلے غزل گو شاعر ملنگ شاہ خود کو'' ہاشمی'' کہلاتے تھے۔اس خاندانی مناسبت سے ظہور شاہ اپنے نام کے ساتھ یہی لاحقہ بطور تخلص لگاتے تھے۔ سید ہاشمی کے والد محمد شاہ ہاشمی دشتیاری میں پیدا ہوئے۔ سید محمد شاہ ہاشمی کچھ عرصے بعد بلوچستان کے ساحلی شہر گوادر میں آ کر آباد ہوئے۔ اُس وقت گوادر سلطنت عمان کی عملداری میں تھا۔سادات خاندان سے تعلق رکھنے کی بناء پر سید ہاشمی کے والد سید محمد شاہ ہاشمی اردو فارسی اور عربی زبان پر کافی دسترس رکھتے تھے۔

سید ہاشمی گوادر میں 21/ اپریل 1926ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا پیدائشی نام ابراہیم شاہ تھا۔سید ہاشمی نے ابتدائی تعلیم گوادر ہی میں ''سعیدیہ'' اسکول میں حاصل کی۔ وہ

اردو، فارسی اور عربی کے ماہر استاد اور عالم تھے۔ ہندی، سنسکرت اور انگریزی پر بھی ماہرانہ نظر رکھتے تھے۔ سید ہاشمی ماہر دست شناس بھی تھے۔ سید ہاشمی فن موسیقی کے بھی ماہر تھے۔ بلوچی موسیقی میں اُن کے کمپوز کئے گئے دو چار غزل اور گیت بھی موجود ہیں۔ پہلی بلوچی فلم حمل و مہگنج کے مکالموں کے ساتھ گیتوں کی موسیقی بھی انہوں نے ترتیب دیا تھا۔ بقول صبا دشتیاری سید ہاشمی سیاسی نظریوں میں کارل مارکس، علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد سے متاثر تھے۔ سید ہاشمی انتقال 3/ مارچ 1978ء کو کراچی میں ہوا، انہیں ٹی بی کا مرض لاحق تھا۔

سید ہاشمی بہ یک وقت شاعر، موسیقار، مکالمہ نگار، ناول نگار، ماہر لسانیات تھے۔ بلوچی میں مکتوب نگاری کی ان کی کتاب ''سیدنمدی'' اولین کتاب ہے۔ ان کی شاعری کے چھ دیوان، افسانہ اور انشائیہ کی ایک، تاریخ کی ایک، بلوچی املا پر ایک اور ایک قرآن کریم کی جزعم کی ترجمہ کی بھی ایک کتاب ہے۔ نثر و نظم ملا کر اُنکی تقریباً 30 کے قریب کتابیں ہیں۔ جن میں چند اب تک چھپے نہیں ہیں۔ اردو میں ترجمہ شدہ یہ کتاب (دانش سید) ان کی بلوچی میں افورازم کی ہئیت میں لکھی گئی کتاب ''ستگیں دستونک'' کا ترجمہ ہے۔ اس کے پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب انہوں نے 1954ء کے اپنی ذاتی حالات کے تناظر میں لکھی ہے، جب وہ پورے بلوچستان (ایران، پاکستان) کا دورہ مکمل کرنے کے بعد کراچی پہنچے اور یہاں احباب کی کج رویوں سے دلبرداشتہ ہو کر خلیج چلے گئے تھے۔ کراچی میں قیام کے دوران ان کے علمی و ادبی دوست واحباب اس کے ساتھ جو رویہ اور سلوک روا رکھتے رہے یہ ان کے جواب میں افورازم کی ہئیت میں تحریر شدہ ان کے جذبات ہیں۔ یہ جذبات زبان و بیان اور سوچ وفکر کی افق پر کس حد تک پختہ ہیں ان کا فیصلہ قارئین نے کرنا ہے البتہ کہنے کی بات یہ ہے کہ

تخلیق کی ترجمے کے ساتھ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے ایک زبان کی تاریخ، ثقافت جذبات اور موضوعی کیفیات کی وہ ڈور ڈھیلی پڑ جاتی ہے جس کی بنیاد پر ایک ادب پارے کی بنیاد رکھی ہوئی ہوتی ہے لہٰذا ترجمہ کرتے وقت میری انتھک کوشش رہی ہے کہ زبان کی چاشنی، الفاظ کا آہنگ اور خیالات کی شگفتگی متاثر نہ ہو۔ تاہم اس کے باوجود چونکہ کاملیت کا تصور ناپید ہے اور ہر تخلیقی کام میں کچھ نہ کچھ سقم رہ جاتا ہے۔ یقیناً اس ترجمے میں بھی رہی ہونگی اور مجھے یقین ہے کہ اس سلسلے میں احباب غلطیوں کو درگزر کرنے کے بجائے ان کی نشاندہی کر کے میری رہنمائی فرمائیں گے۔

افورازم کی ساخت میں چونکہ آفاقی سچائی کے ساتھ ساتھ خیالات کی نازکی اور الفاظ کے آہنگ کا ایک خاص عمل دخل ہوتا ہے۔ لہٰذا ان باتوں کا خیال رکھنے کی بھر پور کوشش کی گئی ہے، لیکن اگر کہیں کوئی سقم رہ جائے تو اسے ترجمے کی خامی تسلیم کیا جائے۔

سید ہاشمی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری اور نثر میں بلوچی زبان کے وہ قدیم الفاظ استعمال کئے ہیں جو زیادہ تر متروک ہو چکے ہیں اسی وجہ سے اکثر لکھاری اور ادیب سید ہاشمی کی تحریروں کا ترجمہ کرنے سے کتراتے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے ''دانشِ سید'' اس سلسلے میں بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہو۔ اور مستقبل میں یہ کتاب یا سید ہاشمی کی دیگر کتابیں انگریزی، اردو اور دیگر زبانوں میں ترجمے کا راستہ کھول سکیں۔

سنگت رفیق

بلوچی اکیڈمی

18-10-2018

پیش لفظ

میں نے 1952ء میں کراچی شہر میں ''بلوچی زبان ءِ سرچمگ'' کے نام سے ایک ادبی انجمن کی بنیاد رکھی۔ بلوچ قلمکاروں نے اس انجمن کو خوش دلی کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ اس انجمن کے زیر سایہ ادبی مجالس منعقد ہوتی رہیں، لیکن اس سلسلے میں صرف ادبی مجالس کا انعقاد کافی نہیں تھا، لہٰذا میں نے انجمن کے ممبران سے التماس کی کہ کچھ فنڈز جمع کیے جائیں تا کہ ہم کوئی طبع ونشر کا ادارہ قائم کرسکیں لیکن اس میں کسی نے دلچسپی ظاہر نہیں کی۔

1954ء تک ''سرچمگ'' کے خزانے میں کچھ نظم پارے (جدید اور قدیم) اور کچھ نثر پارے (مضامین اور افسانے) بھی جمع ہوئے۔ ''سرچمگ کے معرض وجود میں آنے کے بنیادی مقاصد'' کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی چھاپ کر شائع کیا گیا۔ اس کے علاوہ میں نے ''سرچمگ'' کا آئین بھی مرتب کیا، مگر وہ چھاپا نہیں جاسکا۔

بلوچی رسم الخط کے اصولوں کے بارے میں بھی میں نے کافی کوششیں کیں اور اس تناظر میں، میں نے کئی الفاظ انہی اصولوں کے تحت تحریر کر کے دوستوں کے سامنے پیش کردیئے جن کو سرچمگ کے ممبران اور دیگر بلوچ لکھاریوں نے برملا استعمال کرنا شروع کردیا۔ (1955ء مگسی ہاؤس کراچی میں) آغا عبدالکریم خان کی صدارت میں ہونے والے اجلاس میں کراچی،

شالکوٹ اور قلات کے بیشتر قلمکار شریک ہوئے۔ اس اجلاس کے پہلے دن میرے تجویز کردہ ''ءَ ، ءُ ، ءِ'' الفاظ کو قبول کرلیا گیا۔ اگلے دن کے اجلاس کے لئے جب میں مگسی ہاؤس پہنچا تو ان دوستوں کے شالکوٹ چلے جانے کی خبر ملی۔

آخر میں نے ایک دفعہ پھر انجمن کے ممبران کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ بلوچی کتابوں کی اشاعت کے لئے ایک ادارے کی اشد ضرورت ہے۔ اس طرح میں نے ان کو تنبیہ کردی کہ میں کسی بھی حال میں فی ممبر دس روپیہ بطور چندہ وصول کرونگا تا کہ طبع ونشر کے کام کے لئے کچھ پیشرفت کی جاسکے۔

نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ تین چار ممبران کے علاوہ دیگر نے انجمن کے اجلاس میں شرکت کرنے سے اجتناب برتنا شروع کردیا۔ اس خوف سے کہ کہیں چندہ نہ دینا پڑے (حالانکہ اس دوران انجمن کی ادبی مجالس کا مسلسل انعقاد ہوتا رہا) انجمن کے معاشی حالات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1952ء سے لیکر 1954ء کے دوران انجمن کے خزانے میں صرف 34 روپے مبلغ جمع ہوسکے تھے اور اس پہ طرہ یہ کہ انجمن کی مجالس کے انعقاد کے دوران اس پہ خرچ کئے گئے فنڈز اس میں شامل نہیں تھے۔ ان مجالس کا خرچہ میں اپنی جیب سے ادا کرتا رہا تھا۔

1954ء کے ابتدائی دنوں میں، میں نے ایک دفعہ پھر طبع ونشر کے بارے میں ممبران سے التجا کی، لیکن فنڈز کے معاملے میں سب آگے آنے

سے کتراتے رہے۔ اس لئے مئی 1954ء کو میں نے ارادہ کرلیا کہ اپنے ذاتی خرچ سے بلوچستان کا دورہ کرلوں اور میرے بلوچ بھائی مالی طور پر میری جتنی مدد فرمائیں گے میں وہ لیکر طبع ونشر کا کام شروع کروں گا۔

میں شالکوٹ، مستونگ، قلات، پنجگور، تربت، تمپ، مند، دشت، جیونی اور پسنی کے لوگوں کا دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے میری مالی طور پر حوصلہ افزائی فرمائی۔ دس مہینے کی مسافت کے بعد جب میں دوبارہ کراچی پہنچا، تو میں نے سرچمگ کا اجلاس بلایا، انتخابات ہوئے، نئی کابینہ تشکیل دی گئی، اس سلسلے میں میرے لئے حیران کن بات یہ تھی کہ پہلے جب سرچمگ مالی طور پر کمزور تھا تو یہی لوگ بلائے جانے کے باوجود اجلاسوں میں شرکت کرنے سے پہلو تہی کرتے تھے لیکن میرے دورے کے بعد سب بڑھ چڑھ کر اجلاسوں میں شریک ہونے لگے۔ میں بھانپ گیا کہ ان سب کو میرے دورے کے دوران جمع کردہ چندوں کی بھنک لگی ہے۔ (کاش کہ ان چندوں کی مالیت اتنی ہوتی!)

اس موقع پر میں نے ''سرچمگ'' کے دوستوں کو بتایا کہ ''میں طبع ونشر کے لئے ایک الگ ادارہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں'' دوستوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ یہ دونوں ادارے ایک ساتھ اور یکجا ہونے چاہئیں۔ بلآخر میں نے ان کے آئے روز کے جھگڑوں سے تنگ آ کر بچے کھچے پیسے سرچمگ کے صدر عبدالواحد آزات جمالدینی کے حوالے کردیئے۔

ان پیسوں کے ہتھیانے کے لئے ایک ''نئی سرچمگ'' کی بنیاد رکھ دی گئی۔اس کی بنیاد رکھنے والے چند سابق منصب دار اور ممبران تھے جنہوں نے چند ایک نئے ممبران کو ورغلا کر اپنے ساتھ ملالیا۔میں ان کی ان حرکات کی وجہ سے حیران رہ گیا اور محسوس کیا کہ یہ میری ذات سے حسد اور کینہ رکھتے ہیں،ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے سرچمگ کو نقصان پہنچے اس لئے میں نے اپنے لئے یہ بات مناسب سمجھی کہ اس وقت کراچی سے نکل جاؤں تا کہ سرچمگ ان مسائل میں گر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناپید نہ ہوجائے۔اس طرح میں کراچی سے نکل جانے پر مجبور ہوگیا۔(بنیادی طور پر یہ ایک اچھی کہانی ہے کسی اچھے موقع پر پیش کی جائے گی) میرے کراچی سے نکل جانے کے بعد ''سرچمگ'' کا ایک بھی اجلاس بلایا نہیں جاسکا،اس طرح نئے ''سرچمگ'' کا سوتا پھوٹنے سے پہلے ہی خشک ہوگیا۔

اب بات رہ گئی ان ہزار روپیوں کی!یہ روپے عبدالواحد آزات جمالدینی کے پاس رہ گئے جو اس وقت ''سرچمگ'' کا صدر تھا۔جناب آزات صاحب نے ایک سال کے بعد ان روپیوں سے ماہنامہ ''بلوچی'' شائع کرنا شروع کردیا۔ہم سب اور پورا بلوچستان واجہ آزات جمالدینی کا تہہ دل سے مشکور ہیں کہ بلوچ بھائیوں کی مالی مدد اور واجہ جمالدینی کی ذاتی کاوشوں سے ایک خوبصورت ماہنامہ بلوچی میں نکلنا شروع ہوگیا۔لیکن میں نے دیکھا ہے کہ آزات جمالدینی اپنی ذاتی کاوشوں سے اس ماہنامے کو چلا رہے ہیں،اور میں یہ بھی سمجھ گیا کہ اس ماہنامے کو چلانے کے علاوہ آزات کوئی دوسری طبع ونشر کا کام اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔کیونکہ اب ''سرچمگ''

اور طبع ونشر، بطور ادارے ناپید ہو چکے تھے۔ جب میں نے دیکھا کہ ماہنامہ ''بلوچی'' کے علاوہ آزات کوئی دوسرا بوجھ اپنے کاندھوں پہ برداشت نہیں کرسکتے اور دوسرا کوئی ایسا ادارہ بھی موجود نہیں کہ وہ بلوچی طبع ونشر کا بارِگراں برداشت کرسکے۔ اس دوران میرا مقصد کے فوت ہو جانے کا امکان موجود تھا، لہٰذا میں نے دوبارہ حامی بھرلی کہ میں نے جو وعدہ اور اقرار بلوچستان کے لوگوں سے اپنے دورے کے دوران کیا تھا اس کو ایفا کرنے کے لئے خود طاقت آزمائی کرلوں۔

ان دستونکوں کے شام کے وقت بکھرنے کا منظر تاحیات مجھے ان سے فراموش کرنے نہیں دے گا۔ ان بکھرے موتیوں کی تحریر اور ترتیب کے پیچھے موجود محرک سے آپ لوگ آشنا ہوگئے۔ یہ کتابچہ کسی بھی طرح 17/ مارچ 1956ء کو مکمل ہوگیا، بحرین میں اس کے شائع ہونے کی ناامیدی کے بعد میں نے اپنے دوست بشیر بلوچ (کراچی) کو لکھا، اس نے مجھے بھرپور تعاون کا یقین دلایا، میں نے اس کتابچے کو ''سستگیں دستونک'' (بکھرتے موتی) کے نام سے منسوب کرکے اسے بشیر بلوچ کو ارسال کردیا۔

واجہ بشیر بلوچ نے جونہی اس کی چھپائی کا کام ہاتھ میں لیا تو وہ اپنے ایل ایل بی (LLB) کے امتحانات میں مصروف ہوگئے، اس طرح یہ کام ایک دفعہ پھر تعطل کا شکار ہوگیا۔ امتحانات سے فراغت کے بعد بشیر بلوچ نے اشاعت کے کام کو بہتر طور سمجھنے والے ایک دوست سے مشورہ کیا اور اس طرح یہ کام دوبارہ شروع کیا گیا۔

27/اکتوبر 1956ء کو میں ٹی بی کا شکار ہوگیا، مجھے ہسپتال میں داخل کردیا گیا۔ یکم نومبر 1956ء کو مجھے سینٹوریم میں لایا گیا۔ ڈاکٹر برانز نے ایکسرے دیکھ کر کہا کہ ''آپریشن کی ضرورت ہے''۔ 29/جنوری 1957ء کو میرا آپریشن کیا گیا۔

میں ابھی صحت یاب ہوا ہی نہیں تھا کہ 3 مارچ کو دوسرا آپریشن کیا گیا

میں پورے تین مہینے موت اور زیست کی کشمکش میں مبتلا رہا۔ اس سارے پُردرد پُرالم عرصے میں، میں سستگیں دستونک (بکھرے موتی) کے بارے میں بے خبر رہا۔

25/اگست 1957ء کو میں سینٹوریم کے بیمار پسند بستر نمبر 3 پر دراز ہوکر اذیت ناک انداز میں دل میں سوچ رہا تھا کہ واجہ بشیر بلوچ کا انمول خط موصول ہوا۔ اس خط میں ''سستگیں دستونک'' کے چھپنے کی خبر تھی۔ لیکن اس خوشی میں ایک تلخی بھی شامل تھی، چونکہ شائع ہونے کے دنوں کے دوران بشیر بلوچ خود شالکوٹ چلے گئے تھے اس لئے ان کے بلوچی سے نابلد دوستوں سے الفاظ کی چھپائی میں کچھ غلطیاں سرزد ہوچکی تھیں۔

''سستگیں دستونک'' جب مجھ تک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ غلط چھپنے والے الفاظ کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور باریک چھپنے کی وجہ سے پڑھنے میں دِقت محسوس ہورہی تھی، اس لئے میرے خیال میں یہ کتاب اس قابل نہیں تھی کہ اس کی اشاعت کی جاسکے۔ اس لئے میں نے فیصلہ کرلیا کہ اِسے روک کر دوبارہ اشاعت کے قابل بنایا جائے۔

دوسری اشاعت کے لئے میں نے کچھ مزید لکھنے کی کوشش کی تا کہ کتاب کا سائز بڑھایا جا سکے اور اس کے پیش لفظ کے طور پر یہ کچھ بے ترتیب الفاظ بھی تحریر کرنے پڑے۔ اگر پہلی شائع شدہ کتاب پہ کسی کی نظر پڑی ہے تو وہ ان دونوں کے درمیان خطِ امتیاز بخوبی کھینچ سکتے ہیں۔

ایک چھوٹے سے وقفے کے بعد منزل کی جانب دو قدم جلد ہی اٹھانے کی سعی کی جائے گی۔

بلوچی آباد رہے،

سید ہاشمی

دستونک

معلوم نہیں کہاں سے

دو مصرعے پرندے کی مانند اُڑ کر

میرے دل کی ٹہنی پر آ بیٹھتے ہیں

کہ اکثر

خود مجھے بھی معلوم نہیں پڑتا کہ کیا ہیں

لیکن

یہ غنیمت ہے کہ تم انہیں سمجھ پاتے ہو

☆☆☆

ہر صبح اپنی چاندی سی روشنی اور ہر شب اپنے
چمکدار ستاروں کے ساتھ نمودار ہوتی ہے
لیکن
دو پاگل ان دونوں کا راستہ تک رہے ہیں
ایک دن کے لئے بے تاب ہے اور دن نکلتا نہیں
دوسرا رات کے لئے بے چین ہے اور رات ہوتی نہیں۔

☆☆☆

بوجھ سے لدے بھاری بھرکم جہاز دن رات نرم و نازک سمندر کا سینہ
چیرتے رہتے ہیں
سمندر اِس کا کبھی بُرا نہیں مناتا
لیکن اگر کسی لمحے سمندر اپنا تیور بدل دے
تو یہ بحری جہاز خوف سے کانپ کر کنارے کی جستجو میں سرگرداں
ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

بلوچی میں کہتے ہیں کہ زانوں کا سہارا چھاتی ہے
لیکن، نہ زانوں کو اسکی خبر ہے اور نہ ہی چھاتی کو

☆☆☆

کچھ لوگ مجھے پاگل کہتے ہیں
اور کچھ احمق
میرا قصور یہ ہے کہ
میں اپنی مادری بھاشا میں گفتگو کرتا ہوں

☆☆☆

رات اگرچہ قبر کی مانند تاریک ہو

ہاتھ چہرے کو پہچان لیا کرتے ہیں

لیکن! کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے۔۔۔۔۔کہ

دانت ہاتھ کو کاٹ کھاتے ہیں۔۔۔۔۔اور

یہ بہانہ بناتے ہیں کہ میں نے پہچانا نہیں۔

☆☆☆

جب بیمار درد سے کراہ اٹھتا ہے

تو ''جی و جان'' اور ''لعنت و پھٹکار''

دونوں اِسکا جواب ہیں

☆☆☆

وہ پاگل ہو گیا! یہ خوشی سے پھولے نہ سمایا کہ اُسکی

دولت مجھے مل جائے گی۔

وہ صحت یاب ہو گیا اور غریب بن گیا

لیکن یہ اس کی حال پرسی تک نہ گیا

وہ معاشی طور پر تھوڑا بہتر ہو گیا

اب یہ دوبارہ اُس کے ساتھ

سائے کی طرح چپکا ہوا ہے

☆☆☆

ایک شخص نے 40 سال تک اپنے تیغ جوھر دار کو سینچ کر آب دار بنایا
پھر اسی تیغ سے اُس شخص کا سر قلم کر دیا گیا
اور تیغ کو معلوم نہ ہو سکا کہ اُس سے کیا سرزد ہو چکا۔

☆☆☆

جل کر خاکستر ہو جاتا ہے فلیتہ اور جلتا ہے تیل،
نام چراغ کا روشن ہے۔

☆☆☆

کبھی تیغ ہیں ۔۔۔۔۔تو کبھی مرہم
کبھی درد ہیں ۔۔۔۔۔تو کبھی دوا
کبھی زہر ہیں ۔۔۔۔۔تو کبھی شہد
لوگ مجھ سے گلہ کرتے ہیں
بیچاروں کو معلوم نہیں کہ
یہ انکی اپنی ہی کہی گفتار ہیں

☆☆☆

درد سے پوچھا گیا
''تم اپنے آپ کو ظاہر کیوں نہیں کرتے''؟
مسکرا کے بولا ''خدا کے لئے!''

☆☆☆

مجھے زمین پر نہ گھسیٹو،

خود آپ کے نشان مٹ جائیں گے۔

☆☆☆

ایک شخص مجھے خوش آمدید کہنے کے بجائے طنزاً گویا ہوا:

''ہم سوگوار ہیں اور آپ شعر سنانے کے لئے آئے ہیں''

میں نے کہا:۔

''مجھے مرثیہ کہنا بھی آتا ہے!''

دوبارہ میں نے اس شخص کو نہیں دیکھا۔

☆☆☆

میں نے دیکھا نہ تھا،
آ کر مجھے دکھا گئے،
جب میں نے بھانپ لیا،
کہتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔"پاگل ہے!"

☆☆☆

اپنی سوغات اپنے ہی پاس سنبھال کے رکھو
کہ کہیں اسی سے بھی محروم نہ رہ جاؤ۔

☆☆☆

کوئی کچھ کہنے کے لیے بے چین ہے

لیکن وہ گونگا ہے

ایک گونگا نہیں ہے

لیکن خوف میں مبتلا ہے

دونوں لاچار ہیں۔۔۔ایک کے پاس پانی نہیں

دوسرے کے ساتھ توشہ۔

☆☆☆

ایک مشکیزہ میرے کاندھوں پہ لٹکا ہوا ہے لیکن
اس طرح کس دیا گیا ہے کہ اسِ کا کھولا جانا ممکن نہیں
میں پیاس سے بلک رہا ہوں
گلا صحرا کی طرح خشک ہو چکا ہے
کبھی کبھی ہونٹوں کو مشکیزے کی نمی سے لگا کر
تر کر دیتا ہوں اور چند اشعار گنگنا لیتا ہوں
اور پھر محسوس کرتا ہوں کہ یہ کسی کو بھی اچھے نہیں لگے،
دل ٹوٹ سا جاتا ہے

☆☆☆

اِس سا بے شرم آدمی کون ہو سکتا ہے

کہ تجھے بندوق تھما کر کہے

''جاؤ اپنے بھائی کو قتل کرو''

اور جب آپ انکار کر دیں۔۔۔تو اسے تھوڑی سی بھی شرم محسوس نہ ہو

☆☆☆

ہر منظوم آواز کانوں میں رس گھول دیتی ہے

سچ کے سوا

☆☆☆

اپنے آپ سے دل ٹوٹ جائے۔۔۔تو کوئی ملال نہیں
جب غیروں سے دل ٹوٹ جائے۔۔۔تو وارفتگی ہو جاتی ہے
لیکن پھر
اپنے آپ سے دل ٹوٹ جائے۔۔۔وارفتگی ہو جاتی ہے
اور جب غیروں سے دل ٹوٹ جائے۔۔۔تو کوئی ملال نہیں
یہ ایک سادہ سی نظم ہے

☆☆☆

وہ لیاقت جو مجھے اپنے آپ سے
بیگانہ کر دے
مجھے اُسکی ہرگز ضرورت نہیں۔

☆☆☆

دوا جب درد سے نبرد آزما نہ ہو

اُسے دوا نہ کہیں

درد اگر دوا کا ممنون رہے

تو وہ کوئی درد نہیں،

اب بات آپ کی ہے۔

☆☆☆

آپ میری رہنمائی کیا فرمائیں گے

جب آپ خود میرے ہی نقش پا سے

میرے پیچھے چلے آرہے ہو۔

☆☆☆

ہر ایک ولُو، جنگی کا بچہ ساتھ لئے آ جاتا ہے
بلآخر
یہ جا کر کنویں میں گر جائے گا یا وہ

☆☆☆

آپ کے اپنے ہاتھ بھکاری کی طرح
ہر کسی کے سامنے پھیلے ہوئے ہیں
میں کیوں اپنے ہاتھ تمہارے سامنے پھیلاؤں؟

☆☆☆

عرصہ ہوا ہے کہ ایک نسل پرست شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ

''فلاں کم نسل ہے''

میں حیران ہوں کہ اب

اس کا بیٹا اسی شخص کا داماد ہے

بے شک داماد بھائیوں کے سردار ہیں

☆☆☆

کسی نے کہا:۔

''وہ ہاتھ جو کانٹوں کا تاج بنا سکتے ہیں اُس ہاتھ سے بہتر ہیں جو کچھ بھی بنانے کی استطاعت نہیں رکھتے''

لیکن وہ شخص زخمی دلوں میں چبھتے کانٹوں کی چبھن اور جلن سے نابلد ہے۔

☆☆☆

وہ کام جو کر نہ سکو

دوسرے کو بول دو

وہ باتیں جو بول نہ سکو

وہ کر دو

☆☆☆

آپس کی کھینچا تانی میں

درمیان سے ٹوٹے یا نہ ٹوٹے

ہم میں سے کوئی اوندھے منہ گر جائے گا۔

ہر طرح سے

نقصان ہم تینوں کا ہے۔

☆☆☆

صرف سر نہ ہلایا کرو
''ہاں'' کہو یا ''نہیں''۔

☆☆☆

آج کے سورج کو غور سے دیکھو
شاید کل کا سورج
تمہیں دیکھ نہ پائے

☆☆☆

یہ چمکتا،

روشن اور جھلسا دینے والا سورج

کالا ہے،

اگر تم سمجھو

☆☆☆

اپنے دشمن کے موتیوں کو صدف

اور اپنے دوست کے صدف کو موتیاں ثابت کرنے کی کوشش مت کرو

کہ آج کا سامع

کل کا ناسمجھ نہیں

☆☆☆

سایہِ صبح کبھی پائیدار نہیں ہوتا
دوپہر کی دھوپ سے بھی بدن گرم نہیں ہو پاتا
شام کے مسافر کو رات کا کھٹکا لگا رہتا ہے
اور رات بھی کوئی باظرف، باوقار اقدار کی مالک نہیں۔

☆☆☆

آؤ تمہیں ایک خوشخبری سنا دوں
لیکن اس خوش فہمی میں ہرگز مبتلا نہ ہونا
کہ خوشی برآور ہوگی۔

☆☆☆

تاریکی آدمی کا ازلی ساتھی ہے
اس کی فنا آدمی کی فنا ہے،
روشنی
روشنی تو سرے سے موجود ہی نہیں
اگر موجود ہے
تو پھر تاریکی کو یکسر فنا کیوں نہیں کر دیتی؟

☆☆☆

روشنائی زیست کی روح ہے
اسکی نیستی زیست کی نیستی ہے!
تاریکی؟
تاریکی کا تو سرے سے وجود ہی نہیں!
اگر موجود ہے
تو روشنی فنا کیوں نہیں ہو جاتی

☆☆☆

گزرا وقت اور دیکھا بھالا زمانہ۔۔۔جس حالت میں بھی تھا،

ایک خوش کن اور کڑوی کسک

دل میں چھوڑ گیا

وہ ایک خوابیدہ خیال کی صورت میں گھوم کر

نظروں کے سامنے آجاتا ہے

بالکل اسی طرح

ان دیکھی اور نارسیدہ امید کی تمنا

ہر وقت دل میں کانٹے کی طرح چبھتا رہتا ہے

گزرے وقت کی کسک میں ایک حظ ہے

لیکن دوسرے منظر میں ایک دل کشی مقید ہوتی ہے

کیونکہ اسے آدمی اپنے دل کی مرضی کے مطابق تعمیر کرتا ہے

☆☆☆

اگر جلنا ہے! تو جل کر خاکستر ہو جاؤ
سطحی جلن، ایک تصنع عمل ہے۔

☆☆☆

کہتے ہیں
جب پاؤں اُٹھاؤ
تو اسے رکھنے کا ہنر بھی سیکھ لو

☆☆☆

اُونچائی پہ چڑھ کر، کدھر جاؤ گے؟
پھر اُترہی جاؤ گے

☆☆☆

ڈھونڈو نہیں ۔۔۔۔۔۔تلاش کرو

دیکھو نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔غور کرو

ہاتھ مت لگاؤ۔۔۔۔۔۔۔پکڑ لو

پھرو نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔جاؤ

سنو نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔سمجھو

کیونکہ، سر کوئی اور چیز ہے اور، سرگ [1] کوئی اور شے۔

ا۔ سرگ۔ بلوچی میں صرف جانور کے سر کے لئے مستعمل ہے۔

مجھے اس کے تمام حالات کی جانکاری ہے

ایک دن مجھے ہوٹل لے کے گیا

پلاؤ اور بریانی کی دسترخوانیں بچھائی گئیں

اسکے بعد ایک ساز باز کی گئی

مجھے دل میں دکھ ہوا کہ اس کا بھائی بے بس ہے

☆☆☆

دور آسمان پر کوئی چمکدار ستارہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اس پہ ہر کسی کا دل للچاتا ہے

کسی کے لیے نیک شگون اور کسی کے لیے بدشگون۔

☆☆☆

میں اپنے تڑپتے دل کا خون

لاچار ساتھیوں کی خاطر

ان کی بے آب زمینوں پر نچھاور کرتا ہوں

اس امید کے ساتھ

کہ ایک دن انکی زمینیں آباد ہو جائیں گی

اُس وقت یہ آباد زمینیں سرخ پھول اُگائیں گی

انکے بیج سنبھال کے رکھ لو

کہ یہ میرے دل کا خون ہیں۔

☆☆☆

اپنے چچازاد سے کہنے لگا

''وہاں کے لوگ یکسر نادان ہیں''

اُس وقت کو بھول گیا کہ ایک عرصے تک

میرے پاؤں میں گرا گڑ گڑاتا رہا

☆☆☆

اتنی اونچائی پہ بھی مت اُڑو

کہ جہاں سورج کی تپش جلا کر خاکستر کردے۔

☆☆☆

تین گدھے اپنی اپنی جگہ سے بھاگ نکلے۔

ایک کچرے کے ڈھیر کے قریب آملے۔

ایک بڑے سر اور بڑی پشت والا تھا

دوسرا اپنے پچھلے پاؤں سے لنگڑا تھا۔

تیسرے کے جسم پر بہت بڑا زخم تھا۔

تینوں نے مل کر مجلس منعقد کی

اور اچانک رینکنا شروع کر دیا۔

وہ اپنے الفاظ میں کہہ رہے تھے۔

"ہڈی ٹوٹی ہے گدھے کی، داغ کر دیا گیا ہے کمہار

☆☆☆

آگے بڑھا _____ خود سے ملاقات ہوگئی

موڑ کر پیچھے دیکھا _____ میں ہوں۔

دائیں طرف دیکھا _____ میں ہی تھا۔

بائیں جانب بھی میں خود ہی کھڑا تھا۔

اب بھی

میں خود سے ملنے کا متمنی ہوں۔

☆☆☆

میں نے کہا کہ میرا ساتھ دو تا کہ میں گونگوں کے لئے کوئی

زبان تخلیق کر سکوں

اُس نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پہ رکھ لیے

منہ شالکوٹ کے دھندلے آسمان کی طرف کر کے

قہقہہ مار کر کہا؛

''خواب دیکھتے ہو''

لیکن اب آہستہ آہستہ وہ خود خواب سے بیدار ہو رہا ہے

☆☆☆

ایک سرخ چیونٹا میرے ہاتھ پہ جا رہا تھا
میں نے ہاتھ جھٹک دیا، گر گیا
اچانک پرورش پا کر ہاتھی سی قدامت پا گیا
منہ میری طرف کر کے طنزیہ انداز میں گویا ہوا
''ڈر کے مارے اتنا کانپ کیوں رہے ہو''
میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی بات کا جواب دوں
وہ واپس اپنی سابقہ قدامت میں لوٹ آیا،
اِس انتظار میں ہوں کہ کب
اُسی قدامت میں واپس آجائے۔

☆☆☆

ہر گرہ ایک پوشیدہ چیز کی پاسبان ہے

گرہیں جتنی زیادہ ہونگی

پوشیدہ چیزیں اتنی ہی گراں بہا

لیکن دیکھئے دھوکہ نہ کھائیے کہ بعض گرہیں

خالی بھی ہوتی ہیں۔

☆☆☆

پست ترین جگہ زمین

اور بلند ترین جگہ آسمان ہے

نہ یہ چھوڑی جاسکتی ہے اور نہ ہی اُس تک رسائی ممکن ہے،

درمیانی جگہ سب سے بہتر ہے

لیکن آہ! بے بسی

☆☆☆

آدمی نہ بادشاہ زادہ ہے، نہ غلام زادہ،

صرف آدمی زادہ ہے

اس بات کو

کوئی اپنے لیے معقول سمجھے یا نہ سمجھے۔

☆☆☆

میری روح نے ایک دفعہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا؛

''اکیلے چلو! کبھی اکیلے نہ رہ جاؤ گے''

لیکن میں نے دو دفعہ اسکی بات نہیں مانی اور موردِ الزام ٹھہرا

اب بیٹھ کے سوچ رہا ہوں

کہ اس کی دوسری بات کیا ہوگی

☆☆☆

ایک ہی راستے پر یکسوئی کے ساتھ مت چلو

لیکن اپنے اصول مت توڑو

کیونکہ اُس پر چلنا اور اسے توڑنا

دونوں نقصان دہ ہیں۔

☆☆☆

میں نے دکھا دیا اور

پھر چھپا لیا

لیکن میں بتاؤں گا نہیں کہ کہاں؟

اب آپ خود تلاش کریں

☆☆☆

میں نے خود کو سمیٹ کر دیکھا

میں دکھائی نہ دیا

پھر خود کو پھیلا کر دیکھا

میں پھر بھی دکھائی نہ دیا

اب میں کون اور وہ کون؟

☆☆☆

اگر کوئی چیخ کر آپکو پکار لیتا ہے

تو پہلے بہرے بن جاؤ

تا کہ اس کا بہرا پن جاتا رہے۔

☆☆☆

دن کے دونوں سرے یاد رکھو
رات درمیان سے نکل جائے گی۔

☆☆☆

پاؤں اس سختی کے ساتھ نہ کھینچو
کہ اُسی سختی کے ساتھ پاؤں کھینچے جائیں گے

☆☆☆

ممکن ہے تم ماں کو بہت عزیز ہو
لیکن کمبر (۱) کی طرح نہیں

۱۔ کمبر ایک بلوچ تاریخی کردار ہے جسے اس کی ماں شبِ عاروس میں نیند سے جگا کر اپنے باہوٹ کی مدد کے لئے دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لئے بھیجتی ہے۔

درد سر، سر میں ہوتا ہے اور

درد دل، دل میں،

جاہل دونوں کو درد ہی کہتے ہیں۔

☆☆☆

ہر سرخ شے

سیاہ اور تاریکی پر منتج ہوتی ہے

☆☆☆

میں نے سوچا کہ دل کی بات لکھ ڈالوں

میری اقدار میرے آڑے آ گئیں

☆☆☆

آسمان نیلا اور سمندر گہرا نیلا ہے
ان دونوں پر فخر نہ کرو۔
کیونکہ دونوں دل سیاہ رکھتے ہیں۔

☆☆☆

برہنہ جسم تھا
کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہ دی
ملبوس کر دیا گیا
اب سب اس کی طرف راغب ہیں۔

☆☆☆

ایک دل آشنا نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں جانتا ہوں

میں نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟

اُس نے جواب دیا ''تم؟ تم ہو''

میں نے محسوس کیا کہ ''بالکل''

جب تک زندہ ہوں اس کا شکر گزار ہوں

☆☆☆

اگر آپ کو کوئی دوسو مرتبہ جی اور جان بولے

لیکن پھر بھی آپ

اس کی ایک ناخوشگوار بات

برداشت نہیں کر سکتے

یہ کوئی مناسب بات نہیں

☆☆☆

مجھ سے غصے میں پوچھ بیٹھا ''آپ کون ہوتے ہو؟''

میں نے کہا: ''اِسکا جواب تمہیں بھیج دوں گا''

میں نے دو جملے لکھ کر بھیج دیئے۔ آج تک اُس کے سامنے رکھے پڑے ہیں اور وہ حسد کے مارے اپنی سرخ جلد دانتوں سے کاٹتا رہتا ہے۔

☆☆☆

اب تک اس نے چشمے کا سرا دیکھا ہے

اس لئے بے سر براہ ہے

اگر چشمے کا مرکزہ دیکھے

تو بے مرکز ہو جائے گا

☆☆☆

معلوم نہیں، کیسا دل ہے؟

دوسروں کے سکون کے لئے سامان بہم فراہم کرتا ہے

لیکن خود بے سکون رہتا ہے

☆☆☆

میری تباہی پہ کمر مت کس لینا

کیونکہ میں ہی تمہاری کمر ہوں۔

☆☆☆

سر، سر ہے

اور پاؤں، پاؤں

اُن کو آپس میں بدلنے کی کوشش مت کرنا۔

☆☆☆

سورج کو نکلنے دو

رات کو آنے دو

تمہیں کس سے واسطہ؟

☆☆☆

دو چھوٹے بھائی تھے

دونوں ایک خالی مٹکے پر اونٹ کی طرح سوار ہو گئے

کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف ہچکولے کھاتے رہے

اور جھولتے ہوئے یہ کہتے رہے

واد، وادوتری۔۔۔واد، وادوتری

اُن دونوں کو خود معلوم نہ تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں

اب جبکہ اُن کو معلوم ہو چکا

اب بتاتے نہیں

☆☆☆

افسوس، کام سدھار نہیں سکتا لیکن
مستقبل میں آپ کے لئے ایک نحیف سی امید کی کرن ہے

☆☆☆

خود کو اس طرح انضمار نہ کرو
کہ مٹی سنبھالی نہ جا سکے

☆☆☆

اگر آپ میرے اور اپنے درمیان
کوئی خط امتیاز کھینچ سکتے ہو
تو پھر آپ بھٹک نہیں سکتے

☆☆☆

مولوی کو مولوی کا فرزند دھوکہ دے

اور آپ کو آپکا

☆☆☆

اگر میری لیاقت آپ کی تباہی پر منتج ہے

تو

آپ کی لیاقت کس کام کی؟

☆☆☆

مجھ سے ایک دوست نے کہا: ''میں فلاں سے شادی کرنا چاہتا ہوں''

میں نے کہا: ''اس کا ماضی شفاف نہیں ہے''

اُس نے کہا: ''اور میرا؟''

میں خاموش ہو گیا

☆☆☆

چار پڑھے لکھے آدمی کہیں بیٹھے تھے

ریڈیو پہ موسیقی بج رہی تھی۔

ایک نے کہا ان پڑھ لوگ جب بولنے لگتے ہیں

تو آدمی کو بہرا بنا دیتے ہیں۔

باقی تینوں نے کہا احمق ہیں

کچھ لمحے بعد تینوں نے بات چیت شروع کر دی

میں نے محسوس کیا کہ ریڈیو بہرا ہو گیا ہے۔

☆☆☆

اُسے اڑنے دو

ازخود گر جائے گا

اگر ماننے کو تیار نہیں۔

☆☆☆

شعور آسمانوں کی ادراک کے لئے بے چین ہے۔

اور خود ایک آسمان میں تیر رہا ہے

☆☆☆

یاد آنا اور یاد دلانا

آپس میں ممکن ہے ناطے دار ہوں

ہم رکاب نہیں

کہ دونوں مختلف وادیوں اور باغوں میں سرکشی کرتے رہتے ہیں

☆☆☆

دوسرے کے نقصان سے ضروری نہیں ہر کوئی خوش ہو،
دوسرے کے فائدے سے
آپ جلتے نہ بھی ہوں
لیکن افسردگی ضرور ہوتی ہے

☆☆☆

میں پرسکون نیند میں تھا
کہ میرا نام پکارا گیا
میں نے آنکھیں کھولیں
دیکھا بہت اندھیرا چھایا ہوا ہے

☆☆☆

میں نے سمجھایا کہ صراط مستقیم یہ ہے۔

ہر شخص غصے سے بپھر گیا

''آپ خود گمراہ ہیں!!!''

اب میں دیکھ رہا ہوں کہ

سیدھے راستے کی طرف پلٹ رہے ہیں، اب میرا دل باغ باغ ہو گیا ہے

کہ آخر زندہ تو ہیں

☆☆☆

کسی نے مجھے بتایا:۔

''فلاں نے اپنی دونوں اطراف آگ جلا رکھی ہے''

میں نے کہا:۔

''خود اپنے آپ کو جلا ڈالے گا''

☆☆☆

شام اور فجر

پہاڑ کے مانند اپنی جگہ سے سرکتے نہیں جب سے اُنہیں یاد پڑتا ہے

تاریکی اور روشنی کے درمیان دونوں نا آسودہ کھڑی ہیں۔

☆☆☆

میں خود کو اس لئے پرے رکھتا ہوں تا کہ آپ کا دامن داغدار نہ ہو

لیکن کیا کروں،

خود کو پرے نہیں رکھ پاتا کہ دل قریب ہیں

صرف آپ احتیاط برتیں۔

☆☆☆

آدمی کی جان ایک مصیبت سے اُس وقت چھوٹ سکتی ہے

جب کوئی دوسرا اُسے گھیر لے

☆☆☆

خنکی اور سردی آپس میں رشتہ دار نہیں

لیکن

گرمی یہ بات ماننے کو تیار نہیں

☆☆☆

ہوا چاہے جتنی خنک چلے

لیکن دل کے پھپھولے ٹھنڈے نہیں ہو پاتے

☆☆☆

اگر خود تمہارا گھر آگ کی لپیٹ میں ہے

پھر تم کس منہ سے

دوسروں کی خوشیوں کی خوش گپیوں میں مشغول ہو؟

☆☆☆

جو چیز ٹیس مارے

وہ پھوڑا بن جاتا ہے

اور جو چیز ہلتی رہے

وہ ایک دن گر جاتی ہے

☆☆☆

چیز کی قدر و قیمت کھو جانے کے بعد معلوم ہوتی ہے

اِس لئے چیز کی قدر ہاتھ آجانے پر ہی جاننا سیکھو۔

☆☆☆

اونٹ کو باگ سے سنبھالا نہیں جا سکتا

طاقت آزمائی مت کرو

☆☆☆

ایک دوست :۔ ”آپ داڑھی کیوں نہیں رکھتے“ ۔

دوسرا دوست :۔ ”میں خود کو داڑھی کے پیچھے چھپا نہیں سکتا“

بیس سال بعد

پہلا دوست :۔ ”آپ نے آج کل داڑھی رکھ لی ہے؟“

دوسرا دوست :۔ ”سماجی اقدار کی خاطر“

☆☆☆

موت اور زندگی دونوں پشیمان ہیں
اور ایک تیسری چیز کی تلاش میں ہیں۔لیکن
دونوں کو اُس کی سمجھ نہیں۔

☆☆☆

ریسپان کا کام اور ہے اور کمند کا اور۔۔۔
لیکن دونوں سے احتیاط برتو

☆☆☆

چیزوں کو اگر زیادہ باریک بینی سے دیکھنے کی کوشش کی جائے
تو وہ اور بھی زیادہ باریک دکھتی ہیں،معلوم نہیں
یہ آنکھوں کا قصور ہے یا چیزوں کا۔

☆☆☆

مجھ سے کہا: چلے آؤ! میں گیا نہیں

جب وہ چلا گیا

اب میں ہاتھ مَلتا رہتا ہوں

☆☆☆

تم امن چاہتے ہو؟

امن کا نام اب تک باقی ہے

یہ بھی غنیمت ہے۔

☆☆☆

ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا

کہا:۔ ''جب آپ قہقہہ لگا رہے ہوں تو

آئینہ دیکھ لیا کریں''

☆☆☆

راستے میں سونے کا ایک ٹکڑا گرا پڑا تھا۔

آپ حیران ہونگے اگر میں کہوں

''زنگ آلود ہے،،

کیونکہ لوگوں کی نظریں کمزور تھیں

اب جب انکی روشنی بہتر ہو رہی ہے

سونے کا زنگ اترتا جا رہا ہے

☆☆☆

خود جو اپنے لئے پسند نہیں،

دوسروں کو سوغات دینا چاہتے ہو؟

☆☆☆

بے بسی کا سمندر بے پایاں ہے

☆☆☆

جواب

اگر دسترس میں ہوتا تو میں بلوچی زبان کے بے پایاں سمندر میں،
شیش ناگ کی طرح ٹھاٹھیں مارتی لہروں سے مدمقابل ہو کر اسکی
لامحدود گیرائی اور بے پناہ گہرائی میں ڈوب کر اس کی پرسکون اور
پُرخیز گود میں سے موتیاں چن لاتا اور آپ کے زریں اقوال کے
جواب میں انہی الفاظ سے مدد لیتا

☆☆☆

درد اور رنج دھندزدہ تیز بارش میں، حائل کی سوغاتیں ہیں،
کسی بھی طرح دل سے دور نہیں کی جاسکتی ہیں
یہی درد اور دکھ اپنی کسک اور جلن کے ساتھ پرانے بیمار کے
تیماردار ہیں۔
ایسے مریض نصیحت اور دوا کی دسترس سے بہت دور ہوتے ہیں۔

☆☆☆

دلہن کے زیورات اگر مستعار نہ لیے گئے ہوں
تو نئی دلہن اُنہیں نکالتی نہیں
لیکن ہمیں کسی بیوہ کے لئے بھی عزیز ہیں۔

☆☆☆

آہ وفغاں؟

بے بس ولاچار زندگی از خود ایک لافانی

آہ وفغاں کی جستجو ہے، اگر زندہ ہو۔

☆☆☆

خود کو احسان کے بوجھ تلے دبنے نہ دو

کہ اس عہد میں ایسا کوئی بھائی موجود نہیں

کہ تمہاری جھکتی کمر دیکھ کر

تمہیں سہارا دے سکے۔

☆☆☆

یہ بات سچ ہے کہ دوسروں کی چیزوں میں عیب نکالنا خود آدمی کو
عیب دار بنا دیتا ہے
لیکن ہر کوئی تمنا لگائے بیٹھا ہے
کہ اس تمنا سے عاری نہ رہے

☆☆☆

میرے سیر اور سواد کی جگہیں، تمنا کی بجھی وہ راکھ ہیں
جن سے ایک نئی زندگی کے جنم کی امید ہے
جو مجھے بھی اپنی بانہوں میں جکڑ لے گی

☆☆☆

میری گراں بار اونٹنی کے لئے دشوار گزار راستوں سے گزرنا
اور میرے کمزور، لاغر اور بوڑھے گھوڑے کے لئے
اِن چٹان اور کھائیوں کو پار کرنا
موت کے منہ میں جانے کے مترادف ہے۔
لیکن تازہ دم گھوڑوں اور جوان اونٹوں کے
وارے جاؤں کہ وہ اچھے جانشین ہیں۔

☆☆☆

تمہارے انٹے ہر بار بچ نِکلتے ہیں اور اگر
تمہارا مارچو ہر بار چھوٹ کھائے،
تو آخر کھلاڑی تمہیں کھیل میں شامل ہی نہیں کریں گے

☆☆☆

میں درد والم کے منہ زور گھوڑے
کے سامنے بے بس ولاچار کھڑا ہوں
اور آپ اب بھی مجھ سے میٹھے بول نظم کرنے کے متقاضی ہیں

☆☆☆

میں اپنے پیاسے ہونٹوں کے ٹھنڈے اور خنک چشمے سے
اس لئے دستبردار ہونے کو تیار نہیں
کہ ظالم اور متکبر زمانے کی جھلسا دینی والی تپتی لو نے اس کے سوتے
خشک کر دیئے ہیں

☆☆☆

میرا یہ افسردہ دل

زندگی کے علاوہ

دیگر بے شمار بے اعتنا دکھ اور الم کی پناہ گاہ ہے

جو مجھے حد درجہ عزیز ہیں

آپ دل چھوٹا نہ کریں کہ آپ کا دل بھی خالی نہیں۔

اگر مانتے نہیں

تو یہ آپ کی اپنی کوتاہی ہے۔

☆☆☆

تمہارے دو الفاظ

کڑوے اور تلخ پیالے تھے

جو میں نے آنکھیں بند کر کے پی لئے

آپ نے جِگر کے پار ہونے والے تیز تیر

چشموں کے نئے پہریداروں کو کیوں نہیں مارے؟

اگر میناؤں کا جھنڈ ہمیں اپنے ساتھ لے کر جاتا

تو اس میں کوئی بری بات نہیں تھی۔

☆☆☆

ہر زبان اپنی بات خود بہتر بیان کر سکتی ہے

ہر دل اپنی حالت بہتر جان سکتا ہے

☆☆☆

جاگے سو پائے، سوئے سو کھوئے

تیار خوری ہر کسی کو نصیب نہیں

باہمت نوجوان اور خود آمادہ بہ کار بھائی ناپید ہو گئے

کہ بھاری عقد کاہل لوگوں کی گردن پر دھر دیئے گئے ہیں

جو چوب کے بغیر ایک قدم بھی چل نہیں سکتے

اِس طرح یہ وادیاں کیونکر سرسبز و شاداب ہو سکتی ہیں؟

☆☆☆

بات تمہاری سچ ہے کہ

''ہمارے دیرینہ زخموں کے لئے مرہم میسر نہیں''

لیکن اِس سے پہلے ہمیں معلوم نہ تھا کہ ہمارے

پہلو کے زخم کس نوعیت کے ہیں؟

زخم کی شناخت کے بعد مرہم میسر آسکتا ہے

کون جانے؟

بلکہ اِس بے دوا مرض کی دوا

ہمارا خون دل ہے

☆☆☆

میں اُس کی ایک دید کی خاطر ترس جاتا ہوں

اس کے ایک لفظ کا سوالی ہوں اور اُس کے ایک پیغام کا منتظر

اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ آپ میری ہمنوائی کر سکتے ہیں

تو میں آپ سے عرض کرتا

کہ اس سے ذرا پوچھیئے !

لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کا کام میرے زخموں کے کریدنے

کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے

☆☆☆

انہوں نے میرے ہاتھ سے اُن کا دامن چھڑایا

یہ نہیں سمجھتے کہ میری روح کا دامن اُن کے ہاتھ میں ہے

☆☆☆

میری آنکھوں سے چھلکے آنسوؤں کا
اصل مسکن آپ کا دل ہے۔
اگر آپ غافل ہیں
تو سمجھ لو قصور خود آپ کا اپنا ہے

☆☆☆

آپ کا گلہ سر آنکھوں پر
لیکن آپ اس بات کو بہتر سمجھتے ہیں کہ
کشیدہ کہاں سے خراب ہے لیکن
آپ الجھے دھاگے کو بزورِ طاقت سلجھا نہیں سکتے۔

☆☆☆

زندہ انسان ملن اور ملاقات کا امیدوار رہتا ہے

اور امید زندگی ہی کی آس ہے

☆☆☆

کل آپ نے مجھے اشتعال دلایا تھا

اور آج آپ رضائی اوڑھ کر

سو گئے؟

☆☆☆

میری سنگینیِ موت سے ششدر نہ ہوں

کہ بلوچ بطور قوم گراں مرگ ہے

ہزاروں برسوں کی پامالی کے بعد

اب تک سنگ دل ظالموں کے

پاؤں تلے زندہ ہے

☆☆☆

تمہارا پیغام مجھ تک پہنچ چکا ہے

دولت اور پیسہ اب تک تمہارے ایمان کا حصہ ہیں

مجھے افسوس ہے

کہ تمہیں اب تک اپنی غلطی کا احساس نہیں

☆☆☆

اگر آپ خوبصورت خیموں میں
چمکتے اور روشن چراغوں کی روشنی میں
ایک حسینہ کا سراپا نہ دیکھ پاتے
تو اس محفل میں بھی کوئی تم سے آشنا نہ ہو

☆☆☆

''نمدی'' نیم دیدار ہے
اگر آپ حیران ہیں تو کوئی بات نہیں
ہر نئی چیز
نئے حالات پیدا کر دیتی ہے۔

☆☆☆

مجھ سے میرے غیر ضروری اور لغو خطوط کی

ناجواب دہی کی معافی نہ مانگ

کہ یہ کوئی بہانہ نہیں

☆☆☆

میرا دل اپنی خوشیوں کی آماجگاہ میں تذبذب کا شکار ہے

کہ تمہاری خوش گفتاریاں

نہ مرے پژمردہ قلب کو دوبارہ زندگی کی چھاؤں میں لا سکتے ہیں

اور نہ ہی میری نحیف وضعیف گفتار کو تازگی اور جاذبیت بخش سکتے ہیں

☆☆☆

مشک بوزمین

اے میری سرسبز زمین

اِن خون خوار بھیڑیوں نے تمہیں غزل غزل نہیں کیا

بلکہ

یہ میرا جگر ہے جس کے چار ٹکڑے کیے گئے ہیں

کہ اب تک اس کے زخم تازہ اور خون کی روانی قائم ہے

جو کبھی بھی دوبارہ سمٹ کر یکجا ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆

میں اُس خوفناک نوجوان کی طرح ہوں

کہ جسے دشمنوں نے ناگہاں اپنی تلواروں سے زخمی کر دیا ہے

اور اِن گہرے زخموں کے ساتھ اسے

ایک خشک آب وغیر آباد وادی میں پھینک دیا ہے

درندے اور خون خوار جانور اِس تاک میں ہیں

کہ کب موت آئے اور وہ اپنا پیٹ بھریں

لیکن میں ان سے کہتا ہوں

کہ مطمئن نہ ہوں

خدا ماؤں کو سلامت رکھے

آئندہ بھی ہونہار بچے جنتی رہیں گی۔

☆☆☆

اگر میری سڑیلی ہڈیوں پر گوشت نہیں
تو آپ لوگوں نے اپنے دانت کیوں تیز کر رکھے ہیں؟
اگر میری رگوں میں خون کی روانی تھم چکی ہے
تو آپ لوگوں کی پیاس کیوں نہیں بجھتی؟

☆☆☆

ایک کے ہاتھ میرے خون سے رنگین ہیں

اور کہتا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔میں پارسا ہوں

دوسرا لومڑی کی طرح میرا آٹا بوری سمیت چرا لے گیا ہے

اور کہتا ہے۔۔۔۔۔۔۔میں شیر ہوں

اور تیسرا مری چادر سے ایک بڑا ٹکڑا پھاڑ کر لے گیا ہے اور

اسکی نگاہیں میری قمیض پر لگی ہیں

اور کہتا ہے۔۔۔۔۔۔۔میں آپ کا بھائی ہوں۔

چوتھے کی چھاؤں اتنی ٹھنڈی ہے

کہ میں سردی سے کانپ رہا ہوں۔

وطن؟ میرا اپنا موجود ہے۔

لوگ؟ میرے اپنے موجود ہیں۔

زبان؟ میری اپنی موجود ہے۔

اصول؟ میرے اپنے موجود ہیں۔

آپ لوگوں کا محتاج کس بات پر رہوں؟

☆☆☆

میں نے اپنا ٹوٹا بازو اپنے گلے میں باندھ لیا ہے
آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے کہ
آپ مجھے کسی بڑے پیڑ کی بلند ترین شاخ پہ
لٹکا دیں

☆☆☆

خود اپنے کٹے ناخنوں تک کو ہاتھ لگانے نہیں دیتے
لیکن
میرا گوشت نوچنے کو سب بے تاب ہیں

☆☆☆

ہماری کمزوری سے خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوں

کہ اس بات کو سب مانتے ہیں

کہ ہاتھی اپنی تمام تر جسامت کے ساتھ

ایک چھوٹی چیونٹی کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے

☆☆☆

آپ کے محلات کی طلب نہیں۔۔۔۔۔۔ ہماری جھونپڑیاں مت جلاؤ
آپ کے قلعوں کی طلب نہیں۔۔۔ ہمارے پہاڑوں کو لرزہ براندام نہ کرو
آپ کے خزانوں کی طلب نہیں۔۔۔۔۔۔ ہماری چراگاؤں کو مت جلاؤ
آپ کے آبی جہازوں کی طلب نہیں۔۔۔۔۔۔ ہماری کشتیوں کو نہ توڑو
آپ کے ہوائی جہازوں کی طلب نہیں۔۔۔۔ ہمارے قافلوں کو مت لوٹو
آپ کے ہتھیاروں کی طلب نہیں۔۔۔۔ ہمارے بازوؤں کو مت توڑو

ہمارے دلوں کو مت تڑپاؤ
کہ ربِ کائنات کا دل تڑپ جائے گا

مجھے غزل غزل اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے
اور اب مجھ سے نیک تمناؤں کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔

☆☆☆

میں پھینکی ہوئی کوئی ہڈی نہیں ہوں
کہ کتے میرے لیے لڑ پڑیں۔

☆☆☆

ہم مانتے ہیں تاریکیاں ہم پہ سایہ فگن ہیں

لیکن

ہماری عقل پہ تو سایہ فگن نہیں ۔

☆☆☆

ابھی تک ہم غیر مسلح ہیں

اور تلواریں ہمارے سر پہ سایہ فگن ہیں

لیکن ہم اپنے مستقبل کے لیے ناامید نہیں

اور وہ دن دور نہیں

کہ ہم تلواروں پہ سایہ فگن ہونگے

وسوسوں نے تمہیں مایوس کر دیا ہے

اگر تمہیں احساس ہو؟

☆☆☆

محلات میں اِس لیے روشنی ہے

کہ

جھونپڑیوں میں آگ جل رہی ہے۔

☆☆☆

مجھے یقین ہے کہ میری زبان کاٹنے کے درپے ہیں

اگر نہیں

تو دو زبانیں ایک منہ میں کیسے سما سکتی ہیں

☆☆☆

انیس سو ستاون کا سال ہے

انسان نے پینتالیس گھنٹوں میں زمین کے گرد چکر لگالیا ہے

اور اب بھی آپ کے گھبرو جوان آبلہ پائی کے ساتھ

نوکیلی چٹانوں پر چہل قدمی کرتے ہیں

قصور کس کا ہے؟

خود اُن کو معلوم ہے

☆☆☆

ایک جاگیروں کا مالک ہے

ایک ہزار نان شبینہ کا محتاج ہے

اے سورج تم کہاں چمک رہے ہو؟

☆☆☆

دشمنوں کی خونخوار تلواریں ہمارے سر پہ سایہ فگن ہیں

بدخو بدخواہوں کے تیز کلہاڑے

ہماری گردنوں کے لئے چمکتے رہتے ہیں

اور اب بھی

تمہارا ہاتھ میرے گریبان سے دور نہیں ہٹتا

اور میرا تمہارے گریبان سے

☆☆☆

تیری مشک بو زمین کی فصلیں

تیری ممتا کی گود سے اگی ہیں

لیکن میں خون کے آنسو روتا ہوں

کہ اِن کے ہاتھ بھی تمہارے خون سے

سرخ ہیں

☆☆☆

تمہاری زمین کی مشک بو خاک میری آنکھوں کا سرمہ ہے
دشمنوں کے غلیظ پاؤں تلے پامال ہوتے
میرے دل کو سخت گراں گزرتے ہیں

☆☆☆

تمہارا آسمان آگ برسا رہا ہے
لیکن تمہارے بہادر بچوں میں سے
ایک بھی نہیں کہتا کہ:
''مجھے گرمی لگتی ہے''

☆☆☆

تمہارے آسمان پہ بھی سورج طلوع ہو چکا ہے

لیکن میں حیران ہوں

کہ اب بھی تمہیں ہاتھ سے

پکڑنے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

میں نے کسی سے پوچھا کہ:۔

''کل کا دن بہتر تھا یا آج کا؟''

اُس نے جواب دیا:۔

''یہ آگ اور وہ کانٹا''

☆☆☆

لوگوں نے بتایا کہ مسجد میں سوگوار بیٹھے ہیں

لیکن میں نے ملاقات کی ٹھان لی

کیونکہ وہ ہماری شان وشوکت تھے

میں نے اُن سے ''بلوچی'' طلب کی

لیکن انہوں نے آستینیں چڑھالیں

مجھے بہت افسوس اور دکھ ہوا

کہ ہمارا پیشوا خود بھٹک چکا تھا

☆☆☆

تمہاری یہ ضرب المثل کہ

''ایک کٹورہ پانی، سو سال وفا''

صرف آپ کے لئے معنی رکھتی ہے

کہ اِس طاقت کے عہد میں

وفا کے سامنے تمہاری آزادی پامال ہے

☆☆☆

جب آپ کو خود اپنے گھر میں

عزت حاصل نہیں تو پھر کس منہ سے محفل میں

احترام کے طلب گار ہیں؟

☆☆☆

شہر شہر پھرتا رہتا ہے

قوم کی خاطر تقریریں کرتا ہے

در بدر مسکینوں کے لئے

آنسو بہاتا رہتا ہے

ظالموں کی ہرزہ سرائی کے لئے

رنگین الفاظ تراشتا رہتا ہے

لیکن اختتام پر

آقا کے تخت کے پائے سے بندھا مل جاتا ہے

☆☆☆

مجھے اطلاع دی گئی

کہ ایک نئے

دور کا آغاز ہو چکا ہے

میں

خوشی اور شادمانی کے ساتھ چلا

دیکھتا کیا ہوں

آگ میں کچھ مزید لکڑیاں جھونک دی گئی ہیں۔

☆☆☆

تم اس قدر بھی کمزور نہیں ہو

کہ ہر ایرا غیرا

تمہیں زنجیروں سے باندھ لے

لیکن معلوم نہیں!

تمہاری بلوچی غیرت

غیرت کو کھا گئی ہے

یا

گم نامی تمہارے نام کو

☆☆☆

تمہاری خوش کن اور خوش نما مجالس

خوفِ خدا سے عاری بدخواہوں نے

طاقت کے زور پہ بکھیر رکھی ہیں

میں وارے جاؤں ان دنوں پہ

جب ان زورآوروں کے لئے

تم کوئی زبردست پیدا کرسکو

☆☆☆

دو خطوط

میرے عزیز م خوشیاں ساون کے بادل کی طرح آپ پر برستی رہیں،

پیار سے لبریز تمہارا خط میرے لئے غیب کی طرف سے شادمانی اور خوشی کا انمول تحفہ تھا جس نے میرے مرجھائے ہوئے دل کوسرسبز و شاداب کر دیا۔ مجھے امید نہ تھی کہ آپ کا خط میرے خشک ہونٹوں کے لئے ٹھنڈے اور میٹھے شہد اور شیر کا پیالہ ثابت ہوگا جو میرے آگ بھری دل کو برفیلی سی ٹھنڈک پہنچائے گا۔ میں درد والم کے منہ زور گھوڑے کے سامنے لاچار و بے بس کھڑا تھا کہ آپکے زرین الفاظ مجھے اس مشکل سے نجات دلا گئے۔ تمہارا ہر لفظ تلخی سے بھرا میٹھی یاد سے وابستہ تھا کہ ہم دونوں کے دل اس میں برابر کے شریک ہیں۔

عرصہ ہوا ہے کہ آپ ہم سے فراموش رہے ہیں تمہارا یہ خط معصوم اور ہمدردی رکھنے والے دلوں کے لئے اظہار دکھ اور درد کے ایک نئے دور کا آغاز ہے جو کبھی ختم نہ ہونے والی ہستی کی طرح ہست اور آبادر ہے۔

تم نے میری نقل اتار کر اپنی بے قراری ظاہر کردی ہے شاید تمہیں معلوم نہیں کہ بے گناہ لوگوں کی نگاہوں میں گناہ، قصور اور داغ کے سمندر میں غوطہ زن شخص سے دوستی اپنے کاندھے پہ رکھے دودھ کی طرح سفید چادر کو داغ دار بنا دے گا۔ اگر آپ منہدم قلعے، آگ اور پرشگاف بندوں کے لئے پریشان ہوں تو یہ آپکی اپنی زرہ نوازی ہے کہ لوگ آنکھ کی وجہ سے آنکھ کی جگہ کو بھی عزیز رکھتے ہیں۔ میرے حالات مت پوچھو کہ آپ سے ایک ہزار پانچ سو میل دور ایک جزیرے کی پناہ میں ہوں کہ ایران کی خلیج کے موتی پرور اور روشن پانیوں کی خوف ناک اور مہربان گود میں ہیں۔ یہاں میرے ساتھ پُرسوز یادوں کے سوا کوئی مال و دولت موجود نہیں یہ بات آپ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ میرا مرجھایا ہوا دل

زندگی کے علاوہ دیگر بے اعتنا دکھ اور اندوہ کی وسیع آماجگاہ ہے جس کو میں دوسروں کے لئے پسند نہیں کرتا اگر مجھے آپ سے کسی خیر کی توقع ہوتی تو میں آپ کے ہر خط کے ساتھ اپنے دل کا ایک ٹکڑا بھیج دیتا۔لیکن میں جانتا ہوں کہ میری مدد افزائی آپکی دسترس سے باہر ہے۔ماضی کی یادوں کے بارے میں نہ پوچھ کہ میرا دل دن میں سودفعہ پھٹ پڑتا ہے اور آنسو اور آہوں کے بعد ایک گونہ سکون پا جاتا ہے لیکن دوسرے لمحے طفل کی مانند ضد پہ اتر آتا ہے (اگر ایک دوست بھی مجھ سے فراموش ہوا،تو اُسکو خوشی نصیب نہ ہو سکے) آپ کی حالت مجھ سے کافی بہتر ہے کہ آپ رو کر اپنے دل کو ہلکان کر سکتے ہیں۔لیکن میری سنو کہ اس دل کے آدھے آنسو خوشنما حسیناؤں کی یاد میں چھلک گئے اور آدھے اس دل کی جلن اور تپش کی وجہ سے دھواں بن کر اڑ گئے۔اب اس جلے دل میں ایک قطرہ آنسو بھی ایسا باقی نہیں بچا جو بلوچی کی خشک آبہ زمینوں پہ چھڑکائی جا سکے۔لیکن افسوس کے لئے صرف ایک دل ہی کافی ہے (ایک حساس دل)اس میں بلوچی (زبان) کے لئے میرے احساسات کی جھلک موجود ہے۔درد اور دکھ کو بخوبی یہ احساس ہوگا کہ انکی جائے پناہ کہاں ہے؟ یہ دوسو مرتبہ ٹوٹا اور جوڑا گیا دل پہلے سے نازنینوں کی بے پرواہ، پرخمار اور ہرن جیسی آنکھوں کے بچھو کی نوکیلی ڈنک جیسی چبھن سے آزردہ رہا تھا اب ایک دفعہ پھر بلوچی کے تیز شمشیروں اور زہریلے تیروں کا شکار ہے آپ مجھے اتنے عزیز ہیں کہ میں ایک ساتھ اپنے لاحاصل دکھوں کے ساتھ آپکے مسرور دل کو تلخیوں میں نہیں ڈبو سکتا! اس خط میں بس اتنا ہی! باقی باتیں اگلے خط میں۔سلامت رہیں!

تمہارا دوست سید

میرے دوست! خوشیاں آپ پہ بادل کی طرح سایہ فگن رہیں!

آپ کو نئی بہار کے نئے پھولوں کی مہکتی تازگیاں مبارک ہوں!

میری دُعا ہے کہ آپ کے خوشی اور خوشحالی کے یہ نئے دن خیر وعافیت سے گزریں۔ آپ کے لئے یہ کام آسان ہے کیونکہ آپ لوگ اُن شہ مُریدوں میں سے نہیں ہیں جن کے دل صرف ایک حاتی کے لئے دھڑکتے ہوں۔ لیکن مجھ جیسوں کا کیا بنے گا کہ عاصمی کے تازہ پھولوں اور گلاب کی مہکتی خوشبوؤں کے درمیان جن کا دل صرف حانؔل کی یاد میں تڑپتا رہتا ہے۔

آپ نے اپنے ذوق سے عاری خط میں دلربا حانؔل کا ذکر چھیڑ دیا اور میرے زخموں کو دوبارہ کریدنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے ذکر تو چھیڑ دیا لیکن نہایت ہی عجلت میں۔

معلوم نہیں کہ آپ کو میرے دل سے کیا دشمنی ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ مجھے کس قسم کی مشکل میں ڈالنے کے متمنی ہیں، جس کا شاید آپ کو خود بھی علم نہ ہو کہ میرے لئے سود ہے یا زیاں؟

سب سے پہلے میں آپ کو بتا تا چلوں کہ یہ جس بھی حالت میں ہو، میری حانؔل ہے۔ اس کی ایسی کیفیت و حالت کا سن کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ میرے دل سے اس کی دوستی اس وقت ختم ہو سکے گی جب ہاتھ کی ہتھیلی پہ بال اُگ آئیں۔ اگر حانؔل شیش ناگ سی صورت پالے اور اپنا تمام زہر مجھے سوغات

کرے تو میں بے چون و چرا، شہد اور شیر کی طرح اسے پی جاؤں گا۔ کسی طرح کی چغلی، کسی طرح کی بہتان تراشی حانؔل کو میرے دل سے دور نہیں کر سکتی، اگر دنیا جہاں کے تمام حیلہ ساز اور مکر و فریبی یکجا ہو کر یہ سازشیں کرنے کی کوشش کریں تو ان کی مثال ساحل پر چہل قدمی کرنے والے اس شخص کی سی ہے کہ جو جتنی زور سے بھی اپنے قدموں کے نشانات زمین پر ثبت کر دے، لیکن لہروں کے آتے ہی وہ نشانات مِٹ جاتے ہیں۔ جس طرح ساحل پہ قدموں کے یہ نشانات سالم نہیں رہ پاتے بالکل اسی طرح میرے دل میں حانؔل کے خلاف کی گئی لوگوں کی باتیں بھی جگہ نہیں بنا پاتی ہیں۔

حانؔل کی تمنا اس موج کی طرح ہے جو میرے دل کے ساحل پہ دوسروں کے تمام نقوش پا مِٹا کر دوبارہ سمندر میں ڈوب کر ان کے تمام داغ دھو ڈالتی ہے۔ میرا دل ان کے مہکتے پیغام اور خوشبو سے بھری رسالت کے لئے بے چین رہتا ہے۔ آپ نے ان کو صرف دو بار ہی دیکھا تھا اور اس پر آپ نے چار مصرعے بھی نظم کئے مگر آپ بھول گئے کہ آپ کی اُن سے ملاقات بطور ایک پیغام رساں کی تھی۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میں کیا لکھوں لیکن ایک دفعہ پھر آپ سے کہے دیتا ہوں کہ گو حانؔل خشک ٹہنی اور خشک خوشے کی طرح ہو لیکن میرے لئے وہ صبح کے تازہ پھول اور انگور کے آب دار خوشے کی طرح نازک اور ملائم ہے اور میں اپنے خشک ہونٹوں کی پیاس کو اس لئے ختم کرنا نہیں چاہتا کہ ظالم زمانے کے بے خوف آگ برساتے سورج اور لو نے اُس کے چشمے خشک کر دیئے ہیں۔ میرے ملن اور دیدار کی جگہیں عشق اور تمنا کی بجھتی انگاروں کی وہ

راکھ ہیں جن سے مجھے ایک نئی زندگی کے جنم لینے کی امید ہے کہ جس کے دھوئنے میں شاید میں بھی نظر نہ آ سکوں۔ حانؔل کے خزاں کے پتوں کی طرح خشک ہونٹ (کہ کاش ان کے بدلے میں، میرے دل کا خون خشک ہوجاتا) میری پیاس بجھانے کیلئے کافی ہیں۔ حانؔل کی بکھری زلفیں میرے لئے کڑی دھوپ میں چھاؤں کے مترادف ہیں۔ کاش میرے جلتے دل کے آہ وفغار کے دھوئنے اس تک پہنچ پاتے اور ان کے غم میں برابر کے شریک ہوتے۔ میں اس کے لئے بہت بے چین ہوں۔ میں اُس کی طرف سے بھیجے گئے دو الفاظ اور ایک پیغام کا مشتاق رہتا ہوں۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ اس سلسلے میں میری مدد افزائی فرمائیں گے، تو میں آپ کو مدد کی اپیل کرلیتا کہ اُن سے اس معاملے میں ضرور بات چیت کریں لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کو میرے زخم کریدنے کے علاوہ دوسرا کوئی شوق نہیں، دل تو چاہتا ہے کہ آپ کے دیگر سوالوں کے بھی جواب دیئے جائیں لیکن حانل کا ذکر چھیڑنے کے بعد کسی دوسرے موضوع پر بات کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا، اس لئے باقی باتیں کسی اور مجلس میں۔۔۔

آپکا خیرخواہ سیدؔ